قرآن کریم کی ترتیب

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

(۳)

قرآن پاک کا رسم الخط حضرت عثمانؓ کے مصحف کے رسم الخط پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اس لیے ہر کاتب کے لیے اس رسم الخط کے مطابق قرآن کی کتابت کرنا ہوگی۔ جو بھی کاتب قرآن کے ماثور رسم الخط میں کمی زیادتی کرے گا وہ "الزائد فی کتاب اللہ والناقص فیہ ملعون" (کتاب اللہ میں کمی زیادتی کرنے والا رحمتِ خداوندی سے دور ہے) کے حکم میں آتا ہے[1]۔

اعراب مصحفِ عثمانی میں نقطوں اور اعراب کا وجود نہ تھا۔ سورتوں کے نام اور فواصل بھی موجود نہ تھے۔ اس لیے بعض الفاظ کو کئی طرز پر پڑھا جاتا تھا۔ خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں بھی مصحفِ عثمانی کی تلاوت ہوتی تھی، حالانکہ قرآنی نسخوں کو جمع کرتے ہوئے چالیس سال کا عرصہ گذرا تھا۔ اس دور میں قرآن کے حروف کے تلفظ میں غلطیاں عام ہوگئیں اور عراق میں یہ غلطیاں بہت زیادہ پھیل گئیں۔ اس وقت عربوں اور عجمیوں میں اختلاط بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ عبدالملک کے دور میں ۶۵ھ میں اموی حکام نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب اگر نہ لگائے گئے تو اس کی عبارت میں کافی تغیر و تبدل واقع ہو جائے گا۔ اس لیے اُنہوں نے قرآنی الفاظ پر کچھ ایسے نشانات لگائے جن سے حروف کی ادائیگی آسانی سے ہوتی تھی۔ اگرچہ الفاظِ قرآن اور ان نشانات کو ان سے

---

[1] نہایت البیان،

الگ دکھنے کے لیے مختلف سیاہی بھی استعمال کی گئی ۔ اس سلسلے میں اُس وقت کے والیٔ عراق عبیداللہ بن زیاد (متوفی ۶۷ھ) اور حجاج بن یوسف الثقفی (متوفی ۹۵ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔[1]

قرآن پر سب سے پہلے نقطے اور اعراب کس نے لگائے؟ اس سلسلے میں عام طور پر ابوالاسود الدؤلی کا نام لیا جاتا ہے۔ ابوالاسود علم نحو کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے حکم پر علمِ نحو کے چند مسائل بھی مرتب کیے تھے، اس لیے قرآن پاک پر نقطے لگانے کی نسبت اُن کی طرف کی گئی ہے۔[2]

کہتے ہیں کہ بصرہ کے والی زیاد نے اُس کو قرآن کریم پر علامات لگانے کو کہا تھا۔ اور ابوالاسود نے آخر کار تلفظِ قرآن میں بعض سنگین غلطیوں کے واقعات سے مجبور ہو کر قرآنِ پاک پر اعراب لگانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے اجتہاد سے حرف کے اُوپر سُرخ روشنائی سے نقطہ لگا کر اُس کو فتح (زبر) قرار دیا اور ضمہ (پیش) کی علامت کے طور پر حرف کے اجزا کے درمیان سُرخ سیاہی سے نقطہ لگایا، سکون (جزم) کی علامت کے طور پر حرف کے اُوپر دو سُرخ نقطے لگائے۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب لگانے کا کام صرف ابوالاسود الدؤلی کے بس کا کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم اللیثی کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔ درحقیقت اس کام کے موجد ابوالاسود، یحییٰ بن یعمر نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا اور ان دونوں کے شاگرد نصر بن عاصم اللیثی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[4]

---

[1] علوم القرآن، ۱۳۰ ف ف

[2] ایضاً

[3] ایضاً، اصول التفسیر، بقول ـــ ابوالاسود نے یہ کام خلیفہ عبدالملک کے حکم سے کیا تھا۔

[4] ایضاً ص ۱۳۲ " " " "

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے رسم الخط کو آسان سے آسان تر بنانے کا کام جاری رکھا گیا۔ خلیل نحوی پہلا شخص تھا، جس نے اعراب کی شکلیں وضع کیں۔ زبر (فتحہ) کو "الف" سے، زیر (کسرہ) کو "ی" سے، اور ضمہ (پیش) کو "واؤ" سے باہمی مشابہت کی وجہ سے وضع کیا، آپ نے ہمزہ، تشدید (شدّ) اور روم و اشمام (علم نحو و صرف کی دو اصطلاحیں) ایجاد کیے۔[1]

تیسری صدی ہجری کے اختتام پر قرآن کریم کا رسم الخط حسن و خوبی میں کمال تک پہنچ چکا تھا۔ اس کام میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مشدد حرف کے لیے کمان جیسی ایک علامت وضع کی گئی اور الف وصل پر فتح، کسرہ اور ضمہ کے علاوہ اوپر، نیچے اور درمیان میں علامت مقرر کی گئی۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان علامات اور قرآن کے اصلی الفاظ میں تمیز کرنے کے لیے ان کو الگ الگ روشنائیوں سے لکھا گیا۔[2]

جہاں تک مدات کا تعلق ہے تو حروف مدتین ہیں۔ الف جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، واؤ ساکن کہ ما قبل مضموم ہوتا ہے اور "ی" ساکن کہ ما قبل مکسور ہوتا ہے۔ مدات کی سات قسمیں مقرر کی گئیں۔

۱۔ مدّ متصل:۔ اس میں حرف مد اور ہمزہ ایک لفظ میں آتے ہیں۔ جیسے أُولَٰٓئِكَ، سُوٓءَ، جِيٓءَ، سَآءَ۔ اس مد کو کالی سیاہی سے لکھتے ہیں۔

۲۔ مدّ منفصل:۔ اس میں حرف مد اور ہمزہ دو الگ الگ کلمات میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ، إِنَّآ إِلَيْكُمْ، وَمَا لِيٓ أَدْعُوكُمْ، قَالُوٓا۔ اس مد کو سرخ سیاہی سے لکھتے ہیں۔

۳۔ مدّ سکون اصلی:۔ اس میں حرف مد کے بعد حرف ساکن آتا ہے۔ اور اس کا سکون اصلی

---

[1] علوم القرآن، ۱۳۶۔ قرآن کریم کا رسم الخط اس وقت اوج کمال پر تھا جب ابو حاتم نے اپنی کتاب اعراب اور نقطوں پر مکمل کی۔

[2] علوم القرآن، ۱۳۷۔

ہوتا ہے وقف سے نہیں ہوتا۔ مثلاً الٓمّٓ ۔ طٰسٓمّٓ ۔ اس مد کو فواتح اور مد لازمی بھی کہتے ہیں[1]

۴۔ مدّ سکون مدغمی:۔ اس میں مدّ کا پہلا حرف جس پر مدّ لکھا جاتا ہے، ساکن ہوتا ہے اور دوسرا مدغم ہوتا ہے۔ مثلاً الضآلین ۔ دآبّۃ ۔ اتحآجونی۔

۵۔ مدّ منقلب:۔ اس میں حرف مد ہمزہ سے منقلب ہوتا ہے۔ جیسے آلٰئٰنَ

ان تین قسموں کو بھی سیاہ روشنائی سے لکھتے ہیں۔

۶۔ مدّ سکون عارضی:۔ جو وقف سے ہوتا ہے۔ یہ لکھی نہیں جاتی، مگر پڑھی جاتی ہے جیسے خبیر، نستعین، یؤمنون۔ ان میں قصر، توسط اور طول تینوں جائز ہیں۔

۷۔ مدّ سکون:۔ جیسے سوٓءٍ، شیٓئٍ، الموٓت، الخیر، اس میں طول و توسط دونوں جائز ہیں[2]

اوقاف و رموز اوقاف کے بارے میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مستند روایات موجود ہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم خود بھی آیات کے آخر میں وقف فرمایا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق " من ضمن ان یقف علی عشر مواضع فی القرآن ضمنت لہ بالجنۃ" (جس نے قرآن میں دس جگہوں پر وقف کرنے کی ضمانت دی، میں اُن کو جنّت کی ضمانت دیتا ہوں) ۔ بعض مقامات پر وقف کو وقفِ غفران کہا گیا ہے۔ اسی طرح وقفِ جبریل بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل قرآن کے نزول کے وقت وقف کیا کرتے تھے۔ اسی طرح وقف النبی بھی مشہور ہے، یہ وقف قولی ہو یا فعلی، جو بھی وہاں وقف کرے گا اجر جمیل کا مستحق ٹھہرے گا[3]

چنانچہ مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ابتداء میں ہر ایک آیت پر وقف فرمایا کرتے تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لیکن جونہی آیات کے محل معلوم ہو گئے تو

---

[1] نہایت البیان ص ۴۰، ۴۱۔

[2] ایضاً۔

[3] نوادر البیان ص ۴، ۵، ۶۔

وقف میں اتنی کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ البتہ آیات کے تقرر کا فائدہ یہ ہوا کہ قاری جب وہاں وقف کرے گا تو معنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا[1]

علمائے سلف نے اوقاف اور آیات کے تقرر کی اہمیت کے پیش نظر اس کام کو آگے بڑھایا۔ اور شیخ ابو محمد طیفوری سجاوندی پہلے شخص ہیں جس نے علمِ وقوف کو ایک باقاعدہ علم کی شکل دی اور اس میں کتابیں لکھیں[2]

وقف کیا ہے اور کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے وقف کا لغوی معنی کھڑا ہونا ہے۔ اصطلاحی معنی آخری کلمہ پر سانس لینے کی مقدار خاموش رہنا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ہر آیت کے آخر میں وقف فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین بھی اس طریقے پر چلتے تھے۔ لیکن جب متاخرین نے قراءت کے اصول و ضوابط منضبط کیے تو وقف کی اقسام میں تقسیم کردیے۔ پھر مختلف علماء کے درمیان اوقاف میں اختلاف تھا۔ لیکن انجام کار ابن جزری نے ایک جامع تقسیم کی بنیاد رکھی، جس کے مطابق وقف کی پانچ قسمیں ٹھہریں:۔

۱۔ وقف تام:۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ کسی قسم کا لفظی اور معنوی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ وقف غیر لازم۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معنی میں فساد پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً۔ نستعین، مفلحون۔

ب۔ وقف لازم۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معنی میں فساد پیدا ہوتا ہے مثلاً۔ واللہ لا یھدی القوم الظلمین ۔ الذین امنوا وھاجروا میں الظلمین پر وقف[3]

۲۔ وقف کافی:۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ معنوی تعلق ہوتا ہے لیکن لفظی تعلق نہیں ہوتا۔

---

[1] نوادر البیان نہایات البیان، ۴۴

[2] نہایات البیان، ۴۵

[3] ایضاً ۴۵

مثلاً کلمہ " لاریب فیہ " اس میں ما بعد کو ماقبل کے ساتھ ملا کر پڑھنا جائز ہے۔

۳۔ وقف حسن :۔ اس میں ماقبل کو ما بعد کے ساتھ لفظی تعلق ہوتا ہے ، معنوی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں :۔

ا۔ جس میں ما بعد کا بغیر ماقبل کے اعادہ کے پڑھنا مستحسن نہیں ہے۔ مثلاً :۔
الحمد للہ کے بعد رب العلمین کو ماقبل کے ساتھ آواز خفی پڑھا جائے گا۔[1]

ب۔ جس میں ما بعد کا ماقبل کے ساتھ پڑھنا غیر مستحسن نہیں ہے مثلاً رب العلمین پر وقف۔

۴۔ وقف قبیح :۔ اس میں ماقبل کے ساتھ ما بعد ملا کر پڑھنے سے معنی مقصود سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً مبتدا پر بغیر خبر کے وقف۔ مضاف پر بغیر مضاف الیہ کے وقف، اس طرح فعل پر بغیر فاعل کے اور موصوف پر بغیر صفت کے وقف کرنا۔[2]

۵۔ وقفِ اقبح :۔ اس میں ماقبل پر وقف نہ کرنے سے معنی میں فساد پیدا ہوتا ہے ، جیسے انکم لتشھدون ان مع اللہ الِھَۃً اُخریٰ میں لفظ تشھدون پر وقف۔ چنانچہ بعض نے اس جیسے وقف کو وقف حرام اور وقفِ کفران کہا ہے۔

علامات و رموز وقف جو علامات و رموز آیات کے آخر میں لکھی جاتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی جو آیات کے آخر میں لکھی جاتی ہیں ان کی ۵ صورتیں ہیں۔

۱۔ ہ سرخ ، یہ وقف تام کی علامت ہے۔

۲۔ م سرخ ، یہ وقف لازم کی علامت ہے۔

۳۔ ط سرخ ، یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہ وقف کافی کی ایک قسم ہے کہ ما بعد کا ماقبل کے ساتھ پڑھنا مستحسن ہے۔

۴۔ ج سرخ ، یہ وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔[3]

---

[1] نہایات البیان ص ۴۵ ، نوادر البیان ص ۴ ، ۵ ، ۶ ۔
[2] نوادر البیان ص ۴ [3] نہایات البیان ، ۴۵ ، ۴۶ ۔

بعض علما کے ہاں یہاں وقف زیادہ معتبر ہے۔ لیکن اس کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵۔ ز سرخ، یہاں وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔ البتہ وصل راجح اور وقف مرجوح ہے۔

۶۔ ص سرخ، یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی جس جگہ مابعد کا ماقبل سے الگ پڑھنا صحیح مفہوم نہیں دیتا۔ لیکن سانس رُک جانے کی صورت میں، جو طولِ کلام کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے، وقف کی اجازت ہے۔ یہاں یہ لازم نہیں ہے کہ ماقبل کو مابعد کے ساتھ دوبارہ ملا کر پڑھا جائے۔ یہ وقف، وقف اضطراری میں داخل ہے[1]

۷۔ صلی سرخ، یہاں ملا کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

۸۔ صل سرخ، یہ ملا کر پڑھنے کی علامت ہے۔ لیکن ملا کر پڑھنے کو چھوڑنا اولیٰ اور وقف احسن ہے۔

۹۔ قف سرخ، یہ وقف کی علامت ہے، لیکن قاری یہاں وصل کا گمان کرتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ قِفْ یعنی توقف کر۔

۱۰۔ ق سرخ، یہ "قیل علیہ وقف" کی علامت ہے یعنی بعض کے ہاں یہاں وقف ہے۔

۱۱۔ معانقہ، لفظ معانقہ کا لفظی معنی ایک دوسرے کے بغل میں ہاتھ ڈال کر ملنا۔ اصطلاح میں یہ دو وقف ہیں جو ایک دوسرے کے پہلو میں واقع ہوتے ہیں۔ معنی کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہوتے ہیں[2] مثلاً ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ج فِيْهِ ج۔ اس میں اگر لا ریب پر وقف کیا جائے تو فیہ کو ھدًی کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے۔ بعض یہاں لفظ مرا قبہ بعض لفظ مع اور بعض تین نقطے

---

[1] نہایات البیان ۴۵، ۴۶۔

[2] نوادر البیان ۴، ۵، ۶، نہایات البیان، ۴۶، ۴۷۔

اس کے اُوپر لکھ لیتے ہیں ۔لفظ معانقہ یا تو پہلے وقف کے لفظ کے اُوپر لکھتے ہیں یا حاشیے میں[۱]

۱۲۔ لا سرخ ، یہ "لا وقف علیہ" کی علامت ہے یعنی یہاں وقف نہیں ہے ۔

۱۳۔ وقفہ ، یہ طویل سکتے کی علامت ہے ۔ وقفہ وقف کے زیادہ قریب ہے اور سکتہ وصل کے زیادہ قریب ۔

۱۴۔ س سرخ ، یہ سکتہ کی علامت ہے یعنی سانس توڑے بغیر سانس لینے کی مقدار سے کم رکنا سکتہ کہلاتا ہے ۔ مثلاً بل ران میں لفظ بل کے لام پر ۔ یعنی حرف لام کو حرف را میں مدغم کیے بغیر ۔

۱۵۔ ک سرخ ، یہ لفظ کذالک کی علامت ہے یعنی اس جگہ وقف مثل سابق ہوگا ۔ مثلاً واعف عنا واغفر لنا[ک] وارحمنا[ک] یعنی ہر ایک پر وقف ہے ۔ اس لیے دوسرے اور تیسرے پر "ک" لکھا جاتا ہے ۔

بعض لوگ ان رموز کو اُوپر لکھتے ہیں اور بعض نیچے[۲] ۔

بعض رموز آیات کی تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے وقف کے اُوپر لکھے جاتے ہیں ۔ اِن کی چھ صورتیں ہیں ـــ

ھ سرخ ، یہ کوفی اور بصری دونوں یا صرف کوفی پانچ آیات کی علامت ہے ۔ یہ حروفِ ابجد کا پانچواں حرف ہے جس کی قیمت پانچ ہے ۔

خب ، یہ پانچ آیات بصری کی علامت ہے (خمسہ بصری)

ع ، یہ کوفی اور بصری دونوں یا صرف کوفی دس آیات کی علامت ہے ۔ اس کو "ی" کی شکل میں لکھتے ہیں جو حروف ابجد کا دسواں حرف ہے جس کی قیمت دس ہے ۔

عب ، یہ دس بصری آیات کی علامت ہے ۔

تب ، یہ بصری آیات کی علامت ہے ۔

---

[۱] نوادر البیان ۴/ ۵/ ۶ [۲] ایضاً

لب ، بہ غیر بصری آیات کی علامت ہے[1]

قرآن کریم میں ان سارے   کی شمولیت کے بارے میں علماء کا ردِ عمل کیا رہا - اس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ قرآن کریم کے رسم الخط میں حسن و خوبی پیدا کرنے کے کام کو سارے علماء نے بنظرِ احسن نہیں دیکھا - اس کا پہلا مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود سے شروع ہوا تھا ، جو قرآن کریم کو خالص رکھنا چاہتے تھے - تابعین میں بھی بعض لوگ قرآن کو معطر کرنے اور اس میں گلاب کے اوراق رکھنے کے مخالف تھے[2] اتباع تابعین کے عہد میں امام مالکؒ عام لوگوں کے لیے قرآنِ کریم پر نقطے لگانے کے قائل تھے - ایسے بھی لوگ تھے جو نقطے لگانے اور ہر دس آیات کے بعد ایک خاص نشان لگانے کے حق میں تھے - اس سلسلے میں تیسری صدی کے آخری دور کے ایک عالم لکھتے ہیں :-

" پانچ یا دس آیتوں کے بعد نشان لگانا ، سورتوں کے نام رکھنا اور ان میں آیات کی تعداد ذکر کرنا مکروہ ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] نوادر البیان ۴، ۵، ۶ - چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں مصاحف عثمانی میں ایک نسخہ موجود رہا ہے اس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے - اسی طرح ابن کثیرؒ نے بھی جو آٹھویں ہجری کے ایک معروف دانشور گزرے ہیں - حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ مصحف دیکھا تھا - وہ لکھتے ہیں "حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ مصاحف میں سے مشہور تر وہ مصحف ہے جو آج کل ملک شام کی جامع دمشق میں رکن کے پاس مقصورہ کی شرقی جانب موجود ہے - یہ مصحف پہلے طبریہ میں تھا - سنہ ۵۱۸ھ میں اُسے دمشق لایا گیا - یہ جلیل القدر کتاب نہایت دیدہ زیب و دلکش ، کبیر الحجم اور نہایت حسین جلی خط میں مرقوم ہے - اس کی جلد بڑی مضبوط ہے - میرا خیال ہے کہ یہ اونٹ کے چمڑے سے باندھی گئی ہے - (فضائل القرآن ، طبع المنار ، سنہ ۱۳۴۸ھ ، ۴۹ - ایضاً علوم القرآن ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ -)

یہ نسخہ بقول بعض لینن گراڈ کی ایک لائبریری میں قیصر روس کی حفاظت میں رہا - پھر وہاں سے انگلینڈ لایا گیا - لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ نسخہ جامع دمشق میں رہا - اور سنہ ۱۳۱۰ھ میں اس کو نذرِ آتش کر دیا گیا - علوم القرآن ۱۲۹ -

[2] علوم القرآن ۱۳۶ -

قرآن کو عشور و زوائد سے پاک رکھو۔ البتہ نقطے لگانا جائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں خطرہ دامن گیر نہیں ہے کہ غیر قرآن کو قرآن سمجھ لیا جائے گا۔ نقطوں کا فائدہ صرف یہ ہے کہ وہ پڑھے جانے والے لفظ کی شکل وصورت پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے جس شخص کو نقطوں کی ضرورت ہو اسے ان سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔"[1]

اس کے برعکس ایسے لوگ بھی تھے جو ان علامات کو بدعت سمجھتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔

بعض علماء ایسے بھی تھے جو اعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ وہ قرآن پر اعراب اور نقطے لگانے کے حق میں تھے۔ لیکن وہ ان کو قرآن کے متن سے الگ دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حرکات تنوین، تشدید (شدّ)، سکون (جزم) اور مد سرخی کے ساتھ اور ہمزہ زردی کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتے تھے۔[2]

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے اس بدعت کو قبول کرنا شروع کیا۔ اور ایک ایسا وقت بھی آیا کہ لوگ اس کو نظر استحسان سے دیکھنے لگے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ قرآن پر اعراب اور نقطے نہ لگائے جائیں تو لوگ اس کی تلاوت میں سخت غلطیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"قرآن پر نقطے اور اعراب لگانا ایک پسندیدہ فعل ہے، کیونکہ اس کی بدولت ہر اعرابی غلطی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"[3]

مثلاً درج ذیل امور کو اب ان لوگوں نے قرآن کی تلاوت کے لیے ضروری قرار دیا۔

۱۔ ہر سورت کے شروع میں اس کا عنوان لکھنا۔

۲۔ آیات کے اواخر میں اختتامی علامت تحریر کرنا۔

---

[1] یہ عالم ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمی جرجانی متوفی ۴۰۳ھ ہے۔ اس کی کتاب "المنہاج" بہت مشہور کتاب ہے۔ علوم القرآن، ۱۳۷۔

[2] علوم القرآن ۱۳۸ [3] ایضاً

۳۔ قرآن کو اجزاء میں تقسیم کرنا۔

۴۔ پھر اجزاء کو احزاب میں اور احزاب کو ارباع میں تقسیم کرنا۔

۵۔ مذکورہ سارے امور کو خاص علامات لگا کر واضح کرنا۔

آیات کے آخر میں لگے ہوئے نشانات کو لوگوں نے بہت جلد قبول کر لیا۔ کیونکہ انہیں تقسیم آیات کی پہچان کی ضرورت تھی۔

سورتوں کے عنوانات اور ان سورتوں کے اسماء کے اندراج کا مسئلہ بھی مختلف فیہ رہا۔ اسی طرح سورتوں کو مدنی یا مکی لکھنا بھی جدل و اختلاف کا باعث رہا[1] مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس کو بنظر احسن دیکھنے لگے۔ بلکہ لوگوں نے ان اسماء اور عنوانات کی زیبائش و آرائش کا اتنا اہتمام کیا کہ بعض نادانوں نے تو اس کو قرآن کا ایک جزو قرار دیا۔

لیکن قرآن پاک کے بعض نسخوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی زیبائش و آرائش کا کام عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں میں زیادہ ہوا۔ عربی میں بعض تفاسیر آجکل بھی ایسی موجود ہیں جن میں قرآن پاک کی عبارت میں تعداد آیات کے علاوہ اور کوئی علامت نظر نہیں آتی[2]۔ اس طرح بعض نسخوں میں اعراب بھی نہیں ہیں[3]

عجمیوں کے ہاں تو قرآن کریم کے لاتعداد نسخے ایسے بھی ہیں جن میں سونے کی گلکاری کی گئی ہے ایسے نسخے بھی ہیں جن کو سونے سے لکھا گیا ہے۔ الغرض عجمیوں کے ہاں قرآن کی زیبائش و آرائش کا کام آج کل بھی جاری ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اب قرآن کریم کی عبارتوں کو پیراگراف میں تقسیم کر کے اس کے ترجمے کے پہلے حرف کو (CAPITAL) لکھا ہے۔[4]

---

[1] علوم القرآن ۱۴۰

[2] جیسے امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر

[3] ایسے کئی مصری نسخے موجود ہیں جن میں اعراب نہیں ہیں۔

[4] جیسے عبداللہ یوسف علی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ جہاں کہیں نیا پیراگراف شروع ہوتا ہے وہ اس لفظ کا پہلا حرف بہت نمایاں لکھتا ہے۔